سعودیہ کی مجلس کبار علماء کا فیصلہ

تین طلاق دینے سے تین ہی طلاق پڑتی ہے

ابتدائیہ:

وہ فروعی اور اختلافی مسائل، جن پر اصرار و تشدد کو ہمارے ملک کے غیر مقلدین نے اپنا شعار بنا رکھا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ تین طلاق کے ایک ہونے کا ہے۔ انھیں اصرار ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے، یہ مسئلہ آج کل فرقہ پرست اور مسلم دشمن عناصر کے ہاتھوں میں کچھ اس طرح پہنچ گیا ہے، کہ انھوں نے اس کو مسلم پرسنل لا میں تحریف و ترمیم کے لیے نقطۂ آغاز سمجھ لیا اور عنوان یہ بنایا گیا کہ اس کے ذریعہ سے مسلم معاشرہ کی اصلاح ہو سکے گی، پھر اسی بنیاد پر یہ مشورہ دیا جانے لگا کہ جب قدیم فتاویٰ سے انحراف کر کے طلاق کے مسئلہ میں نیا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے، تو کیوں نہ دوسرے مسائل پر بھی غور کیا جائے، حد تو یہ ہے کہ اس خالص علمی و فقہی مسئلہ کو اخبارات نے بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فتنہ ہے۔

سعودی عرب کی ہیئت کبار علماء نے اپنے ایک اجلاس میں موضوع کے تمام گوشوں پر بحث و مناقشہ کر کے فیصلہ کیا ہے کہ ایک لفظ سے دی گئی تین طلاق، تین ہی ہوتی ہے، یہ بحث و مناقشہ اور قرارداد ریاض کے مجلّہ البحوث الاسلامیۃ جلد اول کے تیسرے شمارہ میں شائع ہوئی ہے، اس بحث اور قرارداد کا ترجمہ اب سے چند سال پہلے محدث جلیل ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر المجمع العلمی مئو کی جانب سے شائع ہوا تھا، چوں کہ غیر مقلدین سعودی عرب کو اپنا ہم مسلک سمجھتے ہیں اور عوامی سطح پر انھیں بطور حجت پیش کرتے ہیں، نیز اسلام دشمن عناصر بھی بعض مسائل میں مسلم ممالک کا حوالہ پیش کرتے ہیں؛ اس لیے موجودہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر اسے دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ خدا کرے یہ فتنہ ٹھنڈا ہو۔

مدیر المجمع العلمی

مخالفین کا نقطۂ نظر

مخالفین کی رائے میں بیک لفظ تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے، صحیح روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول مروی ہے اور صحابۂ کرام میں حضرت زبیرؓ، ابن عوفؓ، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ اور تابعین میں عکرمہ و طاؤس وغیرہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ اور ان کے بعد محمد بن اسحٰق، فلاس، حارث عکلی، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ نے بھی اس کے موافق فتویٰ دیا ہے۔ علامہ ابن القیم نے اغاثۃ اللہفان میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سوا اور کسی صحابی سے اس قول کی نقل صحیح ہم کو معلوم نہیں ہوئی۔ (اغاثہ ۱/۱۷۹ بحوالہ اعلام مرفوعہ ۳۰/)

ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرہ: ۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے، پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ''۔

آیت کی توضیح یہ ہے کہ مشروع طلاق جس میں شوہر کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے تو بیوی سے رجعت کرے یا بلا رجعت اسے چھوڑ دے، یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے اور بیوی شوہر سے جدا ہو جائے وہ دو بار ہے۔ ''مَرَّتَان'' کا معنی ''مرةً بعد مرةٍ'' ہے، خواہ ہر مرتبہ ایک طلاق دے یا بیک لفظ تین طلاق دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ''دو مرتبہ'' کہا ہے ''دو طلاق'' نہیں کہا ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. (البقرۃ: ۲۳۰)

''پھر اگر طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لیے حلال نہ رہے گی، اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کر لے''۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ تیسری مرتبہ بیوی کو طلاق دینے سے وہ حرام ہو جاتی ہے، خواہ تیسری مرتبہ ایک طلاق دی ہو یا بیک لفظ تین طلاق دی ہو۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ متفرق طور پر تین مرتبہ طلاق دینے کی مشروعیت ہوئی ہے، لہٰذا ایک مرتبہ میں تین طلاق دینا ایک کہلائے گا اور وہ ایک سمجھا جائے گا۔

(۲)

مسلمؒ نے اپنی صحیح میں بطریق طاؤس ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

کان الطلاق الثلٰث علیٰ عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و ابی بکرؓ و سنتَین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر رضی اللّٰه عنه انّ الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم.

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور ابوبکرؓ کی خلافت اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہوتی تھی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جس میں مہلت تھی عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، اگر ہم اسے یعنی تین طلاق کو نافذ کر دیتے تو اچھا ہوتا پس اسے نافذ کر دیا‘‘۔

مسلم میں ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

’’ابوالصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدا میں تین طلاق ایک تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا‘‘۔

یہ حدیث بیک لفظ تین طلاق کے ایک ہونے پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے اور یہ حدیث منسوخ نہیں ہے، کیوں کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں اس حدیث پر برابر عمل جاری رہا اور حضرت عمرؓ نے تین طلاق نافذ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے اس میں عجلت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، انھوں نے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا، نیز حضرت عمرؓ نے تین طلاق نافذ کرنے میں صحابۂ کرام سے مشورہ لیا اور کسی ایسی حدیث کے چھوڑنے میں جس کا نسخ حضرت عمرؓ کو معلوم ہو، صحابہ کرام سے مشورہ نہیں کرتے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ کے جو جوابات دیئے گئے ہیں، وہ یا تو پرتکلف تاویل ہے یا بلا دلیل لفظ کو خلاف ظاہر پر حمل کرنا ہے یا شذوذ و اضطراب اور طاؤس کے ضعیف ہونے کا طعن ہے؛ لیکن مسلم نے جب اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، تو یہ طعن نا قابل تسلیم ہے۔ مسلمؒ نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیث ہی روایت کریں گے اور پھر اس حدیث کو مطعون کرنے والے اسی حدیث کے آخری حصہ ’’فقال عمر إن الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه أناة الخ‘‘ کو اپنے قول کی حجت بناتے ہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حدیث کا آخری حصہ قابل قبول حجت ہو اور اس کا ابتدائی حصہ اضطراب اور راوی کے ضعف کی وجہ سے نا قابل حجت ہو۔ اور اس سے بھی زیادہ بعید بات یہ ہے کہ عہد نبوی میں تین طلاق کے ایک ہونے پر عمل جاری رہا ہو؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہ رہی ہو، جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا، ابھی وحی کا سلسلہ برابر جاری تھا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت عمر کے زمانے تک پوری امت ایک خطا پر عمل کرتی رہی ہو۔ انھیں پھس پھسی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ کو ان کی حدیث کا معارض ٹھہرایا جائے، علمائے حدیث اور جمہور فقہاء کے نزدیک بشرطِ صحت راوی کی روایت ہی کا اعتبار ہوتا ہے، اس کے خلاف اس کی رائے یا فتویٰ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ ان لوگوں کا بھی ہے جو ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ کرتے ہیں۔ لوگوں نے عہد فاروقی میں ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور حدیثِ ابن عباسؓ کو اس اجماع کا معارض ٹھہرایا ہے، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں سلف سے خلف تک اور آج تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔

حدیث زوجۂ رفاعہ قرظی سے بھی استدلال درست نہیں، اس لیے کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی تھی اور رفاعہ نضری کا اپنی بیوی کے ساتھ اس جیسا واقعہ ثابت نہیں کہ واقعات متعدد مانے جائیں اور ابن حجر نے تعدد واقعہ کا فیصلہ نہیں کیا، انھوں نے یہ کہا ہے کہ اگر رفاعہ نضری کی حدیث محفوظ ہوگی، تو دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد ہے، ورنہ ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے: ’’............لیکن مشکل یہ ہے کہ دونوں واقعہ میں دوسرے شوہر کا نام عبدالرحمٰن بن الزبیر متحد ہے‘‘۔

(۳)

امام احمد نے اپنی مسند میں بطریق عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

قال طلق رکانة بن عبد یزید اخو بنی المطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزناً شدیدًا، قال فسأله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کیف طلقتَها؟ قال طلقتُها ثلاثا قال فقال فی مجلس واحدٍ، قال: نعم، فقال فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت، قال، فراجعها.

’’رکانہ بن عبد یزید نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دی پھر اس پر بہت غمگین ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا تم نے کیسی طلاق دی ہے؟ کہا کہ تین طلاق دی ہے، پوچھا کہ ایک مجلس میں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! تو حضور نے فرمایا کہ یہ صرف ایک طلاق ہوئی اگر چاہو تو رجعت کر سکتے ہو، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنی بیوی سے رجعت بھی کر لیا تھا‘‘۔

ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ امام احمد اس حدیث کے سند کی تصحیح و تحسین کرتے تھے۔ (حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا

ہے 'وھو معلول ایضًا' یعنی مسند احمد والی حدیث بھی بہت مجروح وضعیف ہے (ص:۳۱۹) اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو ابوداؤد ابن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے، پس اس حالت میں اگر اس کی اسناد حسن یا صحیح بھی ہو، تو استدلال نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اسناد کی صحت استدلال کی صحت کو مستلزم نہیں)۔ (اعلام مرفوعہ: ۲۵)

اور جو یہ مروی ہے کہ رکانہ نے لفظ "بتّہ" سے طلاق دی تھی، اسے احمدؒ، بخاریؒ اور ابوعبید نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (امام شافعی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور دارقطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بی بی کو لفظ "بتّۃ" کے ساتھ طلاق دی .... حافظ ابن حجر نے تلخیص ۳۱۹/، میں لکھا ہے (صححہ ابوداؤد و ابن حبان والحاکم) یعنی اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ ۱۴۹/، میں ہے کہ میں نے اپنے استاذ طنافسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا "ما اشرف ھذا الحدیث" یہ حدیث کتنی شریف و بہتر ہے۔ (اعلام مرفوعہ ۱۱/۔ العلامۃ المحدث الاعظمی)

(۴)

ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو سال میں ایک لفظ کی تین طلاق سے ایک ہی سمجھا جاتا رہا اور جو فتاویٰ صحابۂ کرام سے اس کے خلاف مروی ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے تین طلاق نافذ کرنے کے بعد کے ہیں۔ تین طلاق نافذ کرنے سے حضرت عمرؓ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ اسے ایک مستقل قاعدہ بنا ڈالیں جو ہمیشہ مستمر رہے، ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ جب تک دواعی و اسباب موجود ہیں، تین طلاق کو نافذ قرار دیا جائے، جیسا کہ تغیر حالات سے بدلنے والے فتاویٰ کا حال ہوتا ہے، اور امام کو اس وقت رعایا کی تعزیر کا حق بھی ہے، جس وقت ایسے معاملات میں جن کے کرنے اور چھوڑنے کا ان کو اختیار ہو، سوء تصرف پیدا ہوجائے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا کے طور پر غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ کو ایک وقت تک اپنی بیویوں سے جدا رہنے کا حکم دے دیا تھا، باوجود یکہ ان کی بیویوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی یا جیسے شراب نوشی کی سزا میں زیادتی، یا تاجروں کی ناجائز نفع اندوزی کے وقت قیمتوں کی تعیین، یا جان و مال کی حفاظت کے لیے لوگوں کو خطرناک راستوں پر جانے سے روکنا، باوجود یکہ ان راستوں پر ہر ایک کو سفر کرنا مباح رہا ہو۔

(۵)

پانچویں دلیل یہ ہے کہ تین طلاق کو لعان کی شہادتوں پر قیاس کیا جائے۔ اگر شوہر کہے کہ میں اللہ کی چار شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو اسے ایک ہی شہادت سمجھا جاتا ہے، لہٰذا جب اپنی بیوی سے ایک مرتبہ میں کہا کہ میں تمھیں تین طلاق دیتا ہوں، تو اسے ایک ہی طلاق سمجھا جائے گا اور اگر اقرار کا تکرار کیے بغیر کہے کہ میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرتا ہو، تو اسے ایک ہی اقرار سمجھا جاتا ہے، یہی حال طلاق کا بھی ہے اور ہر وہ بات جس میں قول کا تکرار معتبر ہے، محض عدد ذکر کردینا کافی نہ ہوگا، مثلاً فرض نمازوں کے بعد تسبیح و تحمید وغیرہ۔

(شیخ شنقیطی نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے؛ اس لیے کہ شوہر اگر لعان کی صرف ایک ہی شہادت پر اکتفا کرلے تو وہ کالعدم قرار دیدی جاتی ہے، جب کہ ایک طلاق کالعدم نہیں قرار دی جاتی، وہ بھی نافذ ہوجاتی ہے۔ (اضواء البیان، ۱۹۵/۱، بحوالہ مجلّہ البحوث)

جمہور کا مسلک

بیک لفظ تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہوجائیں گی، یہ جمہور صحابہ و تابعین اور تمام ائمہ مجتہدین کا مسلک ہے اور اس پر انھوں نے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے دلائل قائم کیے ہیں۔ ان میں سے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّۃَ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَّ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ٥

(الطلاق: ۱)

''اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، ان کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو صریح بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے بڑھے تو اس نے اپنا برا کیا اس کو خبر نہیں کہ شاید اللہ اس طلاق کے بعد نئی صورت پیدا کردے''۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ طلاق مشروع کی ہے، جس کے بعد عدت شروع ہو، تاکہ طلاق دینے والا بااختیار ہو، چاہے تو عمدہ طریقہ سے بیوی کو رکھ لے یا خوب صورتی کے ساتھ چھوڑ دے۔ اور یہ اختیار اگرچہ ایک لفظ میں رجعت سے پہلے تین طلاق جمع کردینے سے نہیں حاصل ہوسکتا؛ لیکن آیت

کے ضمن میں دلیل موجود ہے کہ یہ طلاق بھی واقع ہوجائے گی، اگر واقع نہ ہوتی تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا نہ کہلاتا اور نہ اس کے سامنے دروازہ بند ہوتا، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے: وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

مخرج کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے رجعت کی ہے۔ ایک سائل کے جواب میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" اور تم نے اللہ سے خوف نہیں کیا؛ لہٰذا میں تمہارے لیے کوئی خلاصی کی راہ نہیں پاتا ہوں، تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تم سے تمہاری بیوی جدا ہوگئی۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دیدے، وہ خود پر ظلم کرنے والا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ تین طلاق سے ایک ہی واقع ہوتی ہے، تو اس کو اللہ سے ڈرنا نہیں کہا جاسکتا، جس کا حکم "وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الخ" میں دیا گیا ہے اور جس کا التزام کرنے سے خلاصی کی سبیل پیدا ہوتی اور نہ یہ ظالم کی سزا بن سکتی ہے، جو حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے، تو گویا شارع نے ایک منکر بات کہنے والے پر اس کا اثر مرتب نہیں کیا، جو اس کے لیے عقوبت بنتا، جیسا کہ بیوی سے ظہار کرنے والے پر بطور عقوبت کفارہ لازم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تینوں طلاق نافذ کرکے طلاق دینے والے کو سزا دی ہے اور اس کے سامنے راستہ مسدود کردیا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اللہ سے خوف نہیں کیا، خود پر ظلم کیا اور اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔

(۲)

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اتحل للاول؟ قال: لا حتیٰ یذوق عسیلتها کما ذاق الاول.

"ایک شخص نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیدیں، اس نے دوسرے سے نکاح کرلیا، دوسرے شوہر نے قبل خلوت کے طلاق دیدی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اب پہلے کے لیے حلال ہوگئی یا نہیں؟ فرمایا کہ نہیں تاوقتیکہ دوسرا شوہر پہلے کی طرح لطف اندوزِ صحبت نہ ہو، پہلے کے لیے حلال نہیں ہوسکتی"۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث "باب من اجاز الطلاق ثلاثا" کے تحت ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے بھی اس سے یکجا تین طلاق ہی سمجھا ہے؛ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ رفاعہ قرظی کے واقعہ کا مختصر ہے، جس کی بعض روایات میں آیا ہے کہ انھوں تین طلاقوں میں کی آخری طلاق دی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اعتراض کو اس طرح رد کیا ہے کہ رفاعہ قرظی کے علاوہ بھی ایک صحابی کا ایسا ہی واقعہ اپنی بیوی کے ساتھ پیش آیا ہے اور دونوں ہی عورتوں سے عبد الرحمٰن ابن الزبیر نے نکاح کیا تھا اور صحبت سے پہلے ہی طلاق دیدی تھی، لہٰذا رفاعہ قرظی کے واقعہ پر اس حدیث کو محمول کرنا بے دلیل ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے کہا کہ "اس سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو دونوں واقعہ کو ایک کہتے ہیں"۔

جب حدیث عائشہؓ کا حدیثِ ابن عباسؓ کے ساتھ تقابل کیا جائے تو دو حال پیدا ہوتے ہیں، یا تو دونوں حضرات کی حدیث میں تین طلاق مجموعی طور پر مراد ہے یا متفرق طور پر، اگر تین طلاق یکجائی مراد ہے تو حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا متفق علیہ ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے، اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ وہ عورت تین طلاق کی وجہ سے حرام ہوگئی تھی اور اب شوہر ثانی سے وطی کے بعد شوہر اول کے لیے حلال ہوسکتی ہے اور اگر متفرق طور پر مراد ہے تو حدیث ابن عباسؓ میں یکجائی تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ ایک لفظ کی تین طلاق سے ایک طلاق پڑتی ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں متفرق طلاقوں کا ذکر ہے اور یہ کہنا کہ حدیث عائشہؓ میں تین طلاق متفرق اور حدیث ابن عباسؓ میں مجموعی طور پر مراد ہے، بلاوجہ ہے۔ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں، جو یکجائی تین طلاق کے نافذ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے:

۱- حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ابن ابی شیبہ، بیہقی، دار قطنی نے ذکر کی ہے۔
۲- حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث دار قطنی نے ذکر کی ہے۔
۳- حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث بھی دار قطنی نے روایت کی ہے۔
۴- حضرت حسن بن علی کی حدیث بھی دار قطنی نے روایت کی ہے۔
۵- عامر شعبی سے فاطمہ بنت قیس کے واقعۂ طلاق کی حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔
۶- حضرت عبادہ بن صامت کی ایک حدیث دار قطنی و مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے۔

ان تمام احادیث سے تین طلاق کا لازم ہونا مفہوم ہوتا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے حضرت الاستاذ محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا رسالہ اعلام مرفوعہ/۴ تا ۷۔

(۳)

بعض فقہاء مثلاً ابن قدامہ حنبلیؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ نکاح ایک ملک ہے، جسے متفرق طور پر زائل کیا جاسکتا ہے، تو مجموعی طور پر بھی زائل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ تمام ملکیتوں کا یہی حکم ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاق دی، تو بیوی اس کے لیے اسی وقت حلال ہوسکتی

ہے، جب کسی دوسرے شوہر سے ہم صحبت ہولے۔ اس میں لغۃً اور شرعاً شوہر اول کے تین طلاق مجموعی یا متفرق طور پر دینے میں کوئی فرق نہیں ہے، فرق محض صورۃً ہے، جس کو شارع نے لغو قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ شارع نے عتق، اقرار اور نکاح کو جمع و تفریق کی صورت میں یکساں رکھا ہے۔ مولیٰ اگر بیک لفظ کہے کہ میں نے ان تینوں عورتوں کا نکاح تم سے کردیا، تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے، جیسے الگ الگ یوں کہے کہ اس کا اور اس کا اور اس کا نکاح تم سے کردیا تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کہے میں نے ان تینوں غلاموں کو آزاد کردیا تو سب کی آزادی نافذ ہوجائے گی، جیسے الگ الگ یوں کہے کہ میں نے اس کو اور اس کو اور اس کو آزاد کیا تو سب کی آزادی نافذ ہوجاتی ہے۔ یہی حال اقرار کا بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمع و تفریق میں کوئی فرق نہیں، زیادہ سے زیادہ یکجائی تین طلاق دینے والے کو اپنا اختیار ضایع کرنے میں انتہا پسندی پر ملامت کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

(۴)

بعض مخالفین کے علاوہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ ہازل کی طلاق حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ کی اس حدیث کی وجہ سے واقع ہوجاتی ہے، جسے تمام امت نے قبول کیا ہے:

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد الطلاق والنکاح والرجعۃ.

''تین چیزیں ہیں، جن کا واقعی بھی حقیقت ہے اور مذاق بھی حقیقت ہے۔ طلاق، نکاح، رجعت''۔

مذاق میں طلاق دینے والے کا دل بھی قصد و ارادہ کے ساتھ طلاق کا ذکر کرتا ہے؛ لہٰذا جو طلاق ایک سے زائد ہوگی، وہ مسمّٰی طلاق سے خارج نہیں ہوگی؛ بلکہ وہ بھی صریح طلاق ہوگی اور تین طلاق کو ایک سمجھنا گویا بعض عدد کو زیر عمل لاکر باقی کو چھوڑ دینا ہے، لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔

(۵)

یکجائی تین طلاق دینے سے تین واقع ہونا اکثر اہل علم کا قول ہے، اسی کو حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمروؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ اصحابِ رسول نے اختیار کیا ہے اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ کے علاوہ دوسرے فقہا مجتہدین ابن ابی لیلیٰؒ، اوزاعیؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابن عبدالہادی نے ابن رجب سے نقل کیا ہے کہ میرے علم میں کسی صحابی اور کسی تابعی اور جن ائمہ کے اقوال حلال و حرام کے فتویٰ میں معتبر ہیں، ان میں سے کسی سے کوئی ایسی صریح بات ثابت نہیں جو بیک لفظ تین طلاق کے ایک ہونے پر دلالت کرے، خود ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے حکم میں مختلف اقوال پیش کرنے کے دوران کہا:

''دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے اور لازم و نافذ ہے، یہی امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا آخری قول ہے، ان کے اکثر تلامذہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب سلفِ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی تعداد سے منقول ہے''۔

اور ابن قیمؒ نے کہا:

''ایک لفظ کی تین طلاق کے بارے میں لوگوں کا چار مذہب ہے۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہوجاتی ہے، یہی مذہب ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور بہت سے صحابۂ کرام کا ہے''۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا:

''ہمارے علماء نے فرمایا کہ تمام ائمہ فتاویٰ ایک لفظ سے تین طلاق کے لازم ہونے پر متفق ہیں اور یہی جمہور سلف کا قول ہے۔''

ابن عربی نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں کہا ہے اور اسے ابن قیمؒ نے بھی تہذیب السنن میں نقل کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الطلاق مرتان (یعنی طلاق دو مرتبہ ہے) آخر زمانہ میں ایک جماعت نے لغزش کھائی اور کہنے لگے: ایک لفظ کی تین طلاق سے تین نافذ نہیں ہوتی، انھوں نے اس کو ایک بنادیا اور اس قول کو سلفِ اول کی طرف منسوب کردیا۔ علیؓ، زبیرؓ، ابن عوفؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کیا اور حجاج بن ارطاۃ کی طرف روایت کی نسبت کردی؛ جن کا مرتبہ و مقام کمزور اور مجروح ہے، اس سلسلہ میں ایک روایت کی گئی، جس کی کوئی اصلیت نہیں''۔

انھوں نے یہاں تک کہا کہ:

''لوگوں نے اس سلسلہ میں جو احادیث صحابہ کی طرف منسوب کی ہیں، وہ محض افتراء ہے، کسی کتاب میں اس کی اصل نہیں اور نہ کسی سے اس کی روایت ثابت ہے۔''

اور آگے کہا:

''حجاج بن ارطاۃ کی حدیث نہ امت میں مقبول ہے اور نہ کسی امام کے نزدیک حجت ہے۔''

(۶)

حدیثِ ابن عباسؓ کے جوابات

حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر کہ ''عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک تھی'' کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں،

جن کی بناپر اس حدیث سے استدلال کمزور پڑ جاتا ہے۔

(الف) اس حدیث کے سند و متن میں اضطراب ہے، سند میں اضطراب یہ ہے کہ کبھی "عن طاؤس عن ابن عباس" کہا گیا، کبھی "عن طاؤس عن ابی الصهباء عن ابن عباس" اور کبھی "عن ابی الجوزاء عن ابن عباس" آیا ہے۔

متن میں اضطراب یہ ہے کہ ابوالصہباء نے کبھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

الم تعلم ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة.

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مرد جب ملاقات سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا، تو لوگ اسے ایک شمار کرتے تھے''۔

اور کبھی ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

الم تعلم ان الطلاق الثلاث كان علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابى بكر و صدر من خلافةعمر واحدة.

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں تین طلاق ایک تھی''۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں طاؤس منفرد ہیں اور طاؤس میں کلام ہے، اس لیے کہ وہ ابن عباسؓ سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ قاضی اسمٰعیل نے اپنی کتاب احکام القرآن میں کہا ہے کہ ''طاؤس اپنے فضل و تقویٰ کے باوجود منکر باتیں روایت کرتے ہیں اور انھیں میں سے یہ حدیث بھی ہے''۔ ابن ایوب سے منقول ہے کہ وہ طاؤس کی کثرت خطا پر تعجب کرتے تھے۔ ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ ''طاؤس اس حدیث میں تنہا ہیں''۔ ابن رجب نے کہا کہ ''علمائے اہل مکہ طاؤس کے شاذ اقوال کا انکار کرتے تھے''۔ قرطبی نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ ''طاؤس کی روایت وہم اور غلط ہے، حجاز و شام اور مغرب کے کسی فقیہ نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے''۔

(ج) بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حدیث دو وجہ سے شاذ ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی روایت کرنے میں طاؤس منفرد ہیں اور کوئی ان کا متابع نہیں۔ امام احمدؒ نے ابن منصور کی روایت میں کہا ہے کہ ''ابن عباس کے تمام تلامذہ نے طاؤس کے خلاف روایت کیا ہے'' جوز جانی نے کہا کہ ''یہ حدیث شاذ ہے''۔ ابن عبدالہادی نے ابن رجب سے نقل کیا ہے کہ ''میں نے بڑی مدت تک اس حدیث کی تحقیق کا اہتمام کیا؛ لیکن اس کی کوئی اصل نہ پاسکا''۔

شاذ ہونے کی دوسری وجہ وہ ہے جس کو بیہقی نے ذکر کیا ہے، انھوں نے ابن عباسؓ سے تین طلاق لازم ہونے کی روایات ذکر کرکے ابن المنذر سے نقل کیا کہ ''وہ ابن عباس کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے کوئی بات محفوظ کی ہو اور پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں''۔ ابن ترکمانی نے کہا کہ ''طاؤس کہتے تھے کہ ابوالصہباء مولیٰ ابن عباس نے ان سے تین طلاق کے بارے میں پوچھا تھا؛ لیکن ابن عباس سے یہ روایت اس لیے صحیح نہیں مانی جاسکتی کہ ثقات خود انھیں سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں اور اگر صحیح بھی ہو، تو ان کی بات ان سے زیادہ جاننے والے جلیل القدر صحابہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ وغیرہم پر حجت نہیں ہوسکتی''۔

حدیث میں شذوذ ہی کی وجہ سے دو جلیل القدر محدثوں نے اس حدیث سے اعراض کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اثرم اور ابن منصور سے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کی حدیث قصداً ترک کردی؛ اس لیے کہ میری رائے میں اس حدیث سے یکجائی تین طلاق کے ایک ہونے پر استدلال درست نہیں؛ کیوں کہ حفاظ حدیث نے ابن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے اور بیہقی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے حدیث کو اسی وجہ سے قصداً چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے امام احمد نے ترک کیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دو امامِ فن حدیث کو اسی وقت چھوڑ سکتے ہیں، جب کہ چھوڑنے کا سبب رہا ہو۔

(د) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ایک اجتماعی حالت بیان کرتی ہے، جس کا علم تمام معاصرین کو ہونا چاہیے تھا اور متعدد طرق سے اس کے نقل کے کافی اسباب ہونے چاہیے تھے، جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی، حالاں کہ اس حدیث کو ابن عباسؓ سے بطریق آحاد ہی روایت کیا گیا ہے، اسے طاؤس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے، جب کہ وہ مناکیر بھی روایت کرتے ہیں۔ جمہور علمائے اصول نے کہا ہے کہ اگر خبر آحاد کے نقل کے اسباب وافر ہوں، تو محض کسی ایک شخص کا نقل کرنا اس کے عدم صحت کی دلیل ہے۔ صاحبِ جمع الجوامع نے خبر کے عدم صحت کے بیان میں اس خبر کو بھی داخل کیا ہے، جو نقل کے اسباب وافر ہونے کے باوجود بطریق آحاد نقل کی گئی ہو، ابن حاجب نے مختصر الاصول میں کہا ہے:

''جب تنہا کوئی شخص ایسی بات نقل کرے، جس کے نقل کے اسباب کافی تھے، اس کے نقل میں ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہونی چاہیے تھی، مثلاً وہ تنہا بیان کرے کہ شہر کی جامع مسجد میں منبر پر خطبہ دینے کی حالت میں خطیب کو قتل کردیا گیا، تو وہ جھوٹا ہے، اس کی بات بالکل نہیں مانی جائے گی''۔

جس بات پر عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں تمام مسلمان باقی رہے ہوں، تو اس کے نقل کے کافی اسباب ہوں گے؛ حالاں کہ ابن عباسؓ کے علاوہ کسی صحابی سے اس کے بارے میں ایک حرف بھی منقول نہیں (اور اس کو بھی حضرت ابن عباسؓ نے ابوالصہباء کے تلقین کرنے پر بیان کیا ہے) صحابۂ کرام کی خاموشی دو بات پر دلالت کرتی ہے۔ یا تو حدیث ابن عباس میں تینوں طلاقیں بیک لفظ نہ مانی جائیں؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ بیک وقت تین الفاظ میں تین طلاق دی گئی اور لفظ کا تکرار تاکید پر محمول کیا جائے، یا یہ حدیث صحیح نہیں، اس لیے کہ نقل کے کافی وسائل ہونے کے باوجود آحاد نے اسے روایت کیا ہے۔

(ر) جب ابن عباسؓ جانتے تھے کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی، تو ان کے صلاح وتقویٰ، علم و استقامت، اتباعِ سنت اور برملاحق گوئی کے پیش نظر یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ انھوں نے یکجائی تین طلاق سے تین نافذ کرنے میں حضرت عمرؓ کے حکم کی اتباع کی ہوگی۔ تمتع حج، دو دینار کے عوض ایک دینار کی خرید وفروخت، ام ولد کی خرید وفروخت وغیرہ کے مسائل میں حضرت عمر سے انکا اختلاف پوشیدہ نہیں، لہٰذا کسی ایسے مسئلہ میں وہ حضرت عمرؓ کی موافقت کیسے کرسکتے ہیں، جس کے خلاف وہ خود روایت کرتے ہوں، تمتع حج کے بارے میں حضرت عمرؓ سے ان کا جو اختلاف ہوا ہے، اس سلسلہ میں ان کا یہ مشہور قول ان کی برملاحق گوئی کی واضح دلیل ہے، انھوں نے فرمایا کہ:

''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم لوگ کہتے ہو ابوبکر نے کہا، عمر نے کہا''۔

(س) اگر ابن عباسؓ کی حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے، تو قرون اولیٰ میں صحابۂ کرام کے صلاح وتقویٰ، علم واستقامت اور غایت اتباع کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے تین طلاقوں کو ایک جانتے ہوئے حضرت عمرؓ کا حکم قبول کرلیا ہوگا، اس کے باوجود کسی سے بہ سند صحیح یہ ثابت نہیں کہ اس نے حدیث ابن عباسؓ کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔

(ص) مخالفین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے تین طلاق سے تین کے نفاذ کا حکم سزا کے طور پر جاری کیا تھا؛ اس لیے کہ ایسے کام میں جس پر بڑے غور وفکر کے بعد اقدام کرنا چاہیے تھا، لوگوں نے عجلت سے کام لینا شروع کردیا تھا؛ لیکن یہ بات تسلیم کرنا موجب اشکال ہے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ جیسا متقی عالم وفقیہ کوئی ایسی سزا کیسے جاری کرسکتا ہے، جس کے اثرات مستحق سزا تک ہی نہیں محدود رہتے؛ بلکہ دوسری طرف (یعنی بیوی کی طرف) بھی پہنچتے ہیں۔ حرام فرج کو حلال کرنا اور حلال فرج کو حرام کرنا اور حقوق رجعت وغیرہ کے مسائل اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

مجلس کا فیصلہ

مجلس ہیئت کبار علماء نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

بعد دراسة المسئلة وتداول الرأي واستعراض الأقوال التي قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد توصل المجلس بأكثريته إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظٍ واحدٍ ثلاثاً. (مجلة البحوث الإسلامية المجلد الأول، العدد الثالث، ص: ١٦٥)

مسئلہ موضوعہ کے مکمل مطالعہ، تبادلۂ خیال اور تمام اقوال کا جائزہ لینے اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات پر جرح ومناقشہ کے بعد مجلس نے اکثریت کے ساتھ ایک لفظ کی تین طلاق سے تین واقع ہونے کا قول اختیار کیا۔

لجنہ دائمہ نے تین طلاق کے مسئلہ میں جو بحث تیار کی ہے، اس کے اخیر میں مندرجہ ذیل اراکینِ مجلس کے دستخط بھی موجود ہیں۔

(۱)	ابراہیم بن محمد آل الشیخ	صدر لجنہ
(۲)	عبدالرزاق عفیفی	نائب صدر
(۳)	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن غدیان	عضوِ مجلس
(۴)	عبداللہ بن سلیمان بن منیع	عضوِ مجلس

تنبیہ

اس مجلس کے جن علماء نے تین طلاق کو ایک قرار دیا ہے، انھوں نے صرف اس صورت کا یہ حکم بیان کیا ہے ''جب کوئی شخص یوں طلاق دے کہ میں نے تین طلاق دی (یا دیا)؛ لیکن جب کوئی یوں کہے کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، تو اس صورت میں وہ بھی نہیں کہتے کہ ایک طلاق پڑے گی''۔ (یعنی اس صورت میں ان کے نزدیک بھی تین طلاق واقع ہوگی)۔